اوپیک سے متحدہ عرب امارات کی دستبرداری: اس کی وجوہات اور مضمرات

تحریر: ڈاکٹر محمد گیلانی

(ترجمہ)

متحدہ عرب امارات نے یکم مئی 2026 کو باضابطہ طور پر اوپیک (OPEC) اور اوپیک پلس (OPEC+) اتحاد سے اپنی علیحدگی کا اعلان کیا۔ یہ فیصلہ، جو پہلی نظر میں محض ایک تکنیکی معاشی قدم معلوم ہو سکتا ہے تاکہ تیل کی پیداوار کو 3.4 ملین سے بڑھا کر 5 ملین بیرل یومیہ کیا جا سکے، درحقیقت موجودہ عالمی مالیاتی نظام میں رونما ہونے والی ان اہم تبدیلیوں کا اشارہ ہے جو مختلف بین الاقوامی تنازعات کی عکاسی کرتی ہیں۔ تاہم، متحدہ عرب امارات اپنی تیل کی پیداوار میں اضافے کے ذریعے ان بڑے منصوبوں کے لیے مالی وسائل فراہم کرنے کی امید رکھتا ہے جن پر وہ کام کر رہا ہے، خاص طور پر "انٹرنیشنل ٹریڈ اینڈ اکنامک کوآپریشن" (IMEC) منصوبہ، جو مغربی بھارت کی بندرگاہوں کو متحدہ عرب امارات کی جبل علی اور خلیفہ بندرگاہوں سے جوڑتا ہے، اور اس کے بعد ان ریلوے لائنوں کے ذریعے جو امارات کو سعودی عرب اور اردن کے راستے مقبوضہ حیفا کی بندرگاہ سے منسلک کرتی ہیں۔ متحدہ عرب امارات نے تیل کی پیداوار کی حد (سیلنگ) بڑھانے کی اپنی ضرورت کو اوپیک اور اوپیک پلس سے دستبرداری کے لیے ایک بہانے کے طور پر استعمال کیا۔

اگرچہ یہ دستبرداری، کم از کم رسمی اور سیاسی طور پر، اوپیک کو کمزور کرتی ہے، لیکن اوپیک اور اوپیک پلس ممالک متحدہ عرب امارات کی پیداوار کی کمی کو پورا کرنے اور اس کے کوٹے کو باقی ممالک میں تقسیم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جہاں تک متحدہ عرب امارات کا تعلق ہے، تو اوپیک سے آزاد ہو کر اپنا تیل مارکیٹ کرنے کے لیے اسے اوپیک کی مقررہ قیمتوں سے کم قیمت پر تیل فروخت کرنا پڑے گا، اس کے علاوہ اسے اپنے ہاں کام کرنے والی بین الاقوامی کمپنیوں، جیسے برطانوی تیل کی کمپنیاں بی پی (BP) اور شیل (Shell)، اور فرانسیسی کمپنی ٹوٹل (Total) پر زیادہ انحصار کرنا ہوگا۔

تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم (اوپیک) کی بنیاد 1960 میں پانچ ممالک نے رکھی تھی: سعودی عرب، عراق، کویت، ایران اور وینزویلا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ وینزویلا کے علاوہ یہ تمام ممالک برطانوی اثر و رسوخ کے تحت تھے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اوپیک نے اپنے آغاز ہی سے برطانوی مفادات کی خدمت کی۔ متحدہ عرب امارات نے 1967 میں، آزادی حاصل کرنے سے پہلے اوپیک میں شمولیت اختیار کی تھی، اس وقت اسے امارتِ ابوظہبی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ تاہم، اوپیک کے اندر برطانوی سیاسی اثر و رسوخ اس وقت ماند پڑ گیا جب امریکہ نے سعودی عرب اور عراق میں اس کی جگہ لے لی، پھر 1991 میں کویت پر فوجی قبضہ کیا، اور 1979 سے ایران میں برطانوی اثر و رسوخ کا خاتمہ کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں، وینزویلا سمیت تمام بانی اراکین کسی نہ کسی طریقے سے امریکی اثر و رسوخ کے تابع ہو گئے۔

امریکہ نے اوپیک کی غیر معمولی اہمیت کا ادراک اس وقت کیا جب اس نے 'گولڈ اسٹینڈرڈ' (سونے کا معیار) اور 'بریٹن ووڈز' معاہدے کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا، جس نے ڈالر کی بنیاد 35 ڈالر فی اونس کے حساب سے سونے پر رکھی تھی۔ امریکہ کو اپنا جواب تیل میں ملا، جو عالمی معیشت کی شہ رگ ہے۔ اگرچہ اوپیک امریکی کنٹرول میں نہیں تھی اور سعودی عرب کے شاہ فیصل امریکی ایجنٹ نہیں تھے، لیکن امریکہ اوپیک اور اس کے سربراہ سعودی عرب کو اس لالچ کے ذریعے متاثر کرنے میں کامیاب رہا کہ تیل کی قیمتوں میں پانچ گنا سے زیادہ اضافہ کیا جا سکتا ہے، جو 1972 اور 1974 کے درمیان 2.25 ڈالر سے بڑھ کر 12 ڈالر تک پہنچ گئیں۔ یہ ہدف مصر اور شام کی اسرائیل کے خلاف

1973 کی اکتوبر جنگ کے ذریعے حاصل کیا گیا۔ اس طرح، امریکہ نے نہایت مؤثر طریقے سے اوپیک کا فائدہ اٹھایا، جس کے نتیجے میں 'پیٹروڈالر' نظام وجود میں آیا۔ یہ نظام یہ طے کرتا ہے کہ ڈالر کا اجرا صرف ان ڈالروں میں ہونے والی تیل کی تجارت کے حجم کے تناسب سے ہو گا۔

یہ پیٹروڈالر نظام بڑی حد تک مستحکم رہا یہاں تک کہ نو نئے ممالک اوپیک میں شامل ہو گئے، جس سے وہ اتحاد بنا جسے 2016 سے 'اوپیک پلس' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس وقت سے، ڈالر کے نظام سے باہر تیل کی تجارت کے امکان کے بارے میں قیاس آرائیاں بڑھ گئی ہیں، یہاں تک کہ پیٹروڈالر نظام سے باہر تجارت ہونے والے تیل کا حجم عالمی تجارت کا 20 فیصد تک پہنچ گیا ہے۔ اب جب کہ متحدہ عرب امارات ڈالر میں تیل فروخت کرنے کی پابندی سے آزاد ہو چکا ہے، پیٹروڈالر نظام سے باہر تیل کی فروخت کے حجم میں اضافے کا امکان ہے۔

اگرچہ یہ سچ ہے کہ تیل پیدا کرنے والے ممالک، خواہ وہ اوپیک میں ہوں یا اوپیک پلس میں، تیل کے کنوؤں کے مالک ہیں، لیکن تیل کی قیمتوں پر اصل کنٹرول اب بھی جدید اور پرانی استعماری طاقتوں کے دارالحکومتوں یعنی امریکہ اور برطانیہ، اور کسی حد تک فرانس کے پاس ہے، جو ان چھ بڑی کمپنیوں (Big Six) کے ذریعے کام کرتے ہیں: ایکسن موبل، شیوران، اور کونوکو فلپس (امریکہ)، شیل، بی پی (برطانیہ)، اور ٹوٹل (فرانس)۔

یہ کمپنیاں محض معاشی ادارے نہیں ہیں، بلکہ یہ سیاسی بازو ہیں جو بیرونی کنٹرول کی حکمت عملی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ جہاں ممالک مادی ذخائر کے مالک ہیں، وہیں یہ چھ کمپنیاں گہرائی سے تیل نکالنے کی ٹیکنالوجی، عالمی ریفائننگ نیٹ ورکس، اور سب سے اہم بات یہ کہ نیویارک اور لندن کی اسٹاک ایکسچینجز کے ذریعے 'کاغذی تیل کی تجارت' پر قابض ہیں، جہاں حقیقی تیل سے تیس گنا زیادہ مالیت کے 'فرضی بیرل' کاغذوں پر فروخت کیے جاتے ہیں۔ یہاں قیمت کا تعین وال سٹریٹ اور لندن کے بڑے سرمایہ کاری فنڈز کے مفادات کے مطابق کیا جاتا ہے، جس سے تیل پیدا کرنے والے ممالک ان اسٹاک ایکسچینجز کے اتار چڑھاؤ کے یرغمال بن کر رہ جاتے ہیں جہاں انہیں ووٹ دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

تیل کو استعمار کے ایک آلے کے طور پر دیکھنا محض کوئی تاریخی یادداشت نہیں، بلکہ 2026 کی ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے۔ توانائی کے وسائل اور براعظموں کے درمیان تیل لے جانے والی آبی گزرگاہوں پر قابض ہونے کا مطلب عالمی صنعت کی نبض کو کنٹرول کرنا اور ان مراکز پر اپنی طاقت کا سکہ جمانا ہے جنہیں اس حیاتیاتی وسیلے کی ضرورت تو ہے لیکن وہ اس سے محروم ہیں، جیسے کہ یورپ اور چین۔ آج امریکہ تیل کو پابندیوں کے ایک آلے کے طور پر استعمال کرتا ہے، براہ راست بھی، جیسا کہ ایران اور خلیجی ریاستوں کے ساتھ، اور بالواسطہ بھی، جیسا کہ یورپ اور چین کے ساتھ۔ تاہم، روس اور برطانیہ اپنے تیل کے ذخائر یا اپنی بڑی تیل کمپنیوں جیسے کہ شیل اور بی پی (جس نے امریکی کمپنی اموکو کو خرید لیا تھا) کی وجہ سے ان پابندیوں سے بڑی حد تک محفوظ ہیں۔

جہاں تک ڈالر کے نظام سے باہر تیل کی فروخت کی وجہ سے امریکہ کو اپنی ڈالر پیدا کرنے کی صلاحیت میں ہونے والے 20 فیصد نقصان کا تعلق ہے، تو امریکہ برسوں سے ایک ایسا نیا ڈالر پروڈکشن سسٹم قائم کرنے پر کام کر رہا ہے جو اس کے مالی نقصانات کا ازالہ کر سکے، یا بالآخر پیٹروڈالر نظام کی مکمل جگہ لے لے، خاص طور پر اگر اسے برقرار رکھنے کے لیے مسلسل جغرافیائی سیاسی (geopolitical) تنازعات کی ضرورت پڑے۔ گزشتہ 15 سال سے زائد عرصے سے امریکہ کرنسی کے تبادلے کا ایک نظام نافذ کر رہا ہے، جسے فیڈرل ریزرو 'سواپ لائنز' (swap lines) کہتا ہے۔ امریکہ کا مقصد آخر کار اس نظام کو اس حد تک ترقی دینا ہے کہ یہ ورلڈ بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کی جگہ لے لے، اور یوں دوسری جنگ عظیم کے بعد بریٹن ووڈز معاہدے کے تحت قائم ہونے والے مالیاتی نظام کے بچی کھچی باقیات کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے۔ یہ بات حیران کن ہے کہ امریکہ نے مشرق وسطیٰ میں ایک وحشیانہ جنگ کے دوران سونے کے معیار (گولڈ اسٹینڈرڈ) کو ترک کیا تھا، اور اب وہ اس خطے میں ایک اور بھی زیادہ تباہ کن

تنازعے کے ذریعے بریٹن ووڈز کے باقی ماندہ حصوں کو تبدیل یا ختم کرنا چاہتا ہے، ایک ایسا قدم جو صرف غربت میں اضافہ کرے گا اور عوام کو مزید مشکلات اور کسمپرسی کی دلدل میں دھکیل دے گا۔

اس استعماری اثر ورسوخ کی بدصورتی اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب ہم ان ممالک پر نظر ڈالتے ہیں جو 'سیاہ سونے' (تیل) کے مالک تو ہیں لیکن خود غربت کے اندھیروں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ نائیجیریا، جو افریقہ کا سب سے بڑا تیل پیدا کرنے والا ملک ہے، اس کی سب سے تکلیف دہ مثال ہے۔ جہاں شیل اور ٹوٹل جیسی بڑی کمپنیاں نائجر ڈیلٹا کے ذخائر سے اربوں ڈالر کا منافع سمیٹ رہی ہیں، وہیں یہ ملک 40 فیصد سے زائد غربت کی شرح، تباہ کن ماحولیاتی انحطاط اور غذائی عدم تحفظ کا شکار ہے۔ اسی طرح، انڈونیشیا، جو اپنی رکنیت معطل کرنے سے پہلے اوپیک کا ایک سرگرم رکن تھا، مقامی ٹیکنالوجی کی کمی اور ڈرلنگ و تلاش کے لیے غیر ملکی کمپنیوں پر حد سے زیادہ انحصار کی وجہ سے تیل برآمد کرنے والے ملک سے درآمد کنندہ ملک میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس صورتحال نے اس کے بجٹ کو عالمی اسٹاک مارکیٹ کی قیمتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے، جنہیں ٹیکساس اور لندن کے تجارتی مراکز کنٹرول کرتے ہیں۔

اپریل 2026 میں آکسفیم (Oxfam) کی رپورٹس نے انکشاف کیا کہ تیل کی چھ بڑی کمپنیاں تقریباً 3,000 ڈالر فی سیکنڈ منافع کما رہی ہیں، جو وسائل کی اس منظم لوٹ مار کی وسعت کو ظاہر کرتا ہے۔ جہاں ترقی پذیر ممالک کمر توڑ قرضوں اور ماحولیاتی تبدیلیوں کے نتائج بھگت رہے ہیں، وہیں یہ منافع مغربی شیئر ہولڈرز کی مالی طاقت کو بڑھانے، سیاسی وفاداریاں خریدنے اور اپنے ہی لوگوں کے خلاف جنگیں لڑنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

تیل پیدا کرنے والی ریاستوں کے لیے حقیقی آزادی کا آغاز محض بین الاقوامی تنظیموں سے علیحدگی اختیار کرنے سے نہیں ہوتا، جیسا کہ متحدہ عرب امارات اور قطر نے کیا ہے، بلکہ ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرنے اور قیمتوں کے تعین کے ایسے آزاد مراکز قائم کرنے سے ہوتا ہے جو مغربی اسٹاک ایکسچینجز کی اجارہ داری کو توڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس سب سے پہلے اور اس کے بعد، زندگی کے تمام شعبوں میں امریکہ اور برطانیہ پر سیاسی انحصار سے چھٹکارا حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر، تیل کا بیرل نائیجیریا، انڈونیشیا اور دیگر تیل پیدا کرنے والے ممالک کی تقدیر کو مغربی دارالحکومتوں اور استعمار کی چکی کے پاٹ سے جوڑنے والی ایک زنجیر بنا رہے گا، اور یہ سب 'آزاد تجارت' اور 'مشترکہ مفادات' کے لبادے میں ہوتا رہے گا!